

3 (108)

30

29

انسانِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم

3 سہ ماہی - 10 - 1937

شاہ آغا

شائع کردہ
منجانب

سید شاہ غیاث عالم

نقودہ 14 اگست 1937ء بمقام سپرد ہاؤس

نئی دہلی

(108)

3108

30

३१

انسانِ کامل

उत्पत्ति-प. कार्य

शाह ग़फ़र आलम

شائع کرده

منجانب

سید شاہ غیاث عالم

نقد ۱۶۵، اگست ۱۳۳۲ بمقام سپرد وادوس

نئی دہلی

(3rd)

تاریخ ہندوستان

Ch. - doreto convent

crossing

{ La Place - No. 1 }
{ Shah Najaf Road }

انسانِ کامل

۲۵۱۵۶
Rs. 26936
اطہر حسین صاحب آئی اے ایس
کے

انگریزی مضمون پرافٹ آف اسلام کا آزاد ترجمہ
پیش کردہ فیروزہ اردو لوی

شائع کردہ

شاہ غیاث عالم

منقہ

~~Print~~

۱۶ اگست ۱۹۹۳ء سپروہاؤس نئی دہلی

بہ اہتمام الم ابراہیم

18102
SERIAL

انسانِ کامل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

انسانی سماج جب نزع کے عالم میں گرفتار ہوتی ہے تو اس وقت اس کو ایک ایسے رمبر کی ضرورت پیش آتی ہے جو صاحبِ شمشیر و نگین بھی ہو اور گوشہ نشین بھی، بادشاہ کشور کشا بھی ہو اور گدا بھی مفلس قانع بھی ہو اور غنی دریا دل بھی۔ چنانچہ آج سے تیرہ سو سال پہلے تہذیبِ عالم پر جب جہالت و مصیبت کا سایہ پڑا اور اس کے تمام روشن خدو خال اس سایہ کی بھینک تاریکی میں چھپ گئے اور خلافت الہی کے وہ تمام امکانات جو انسان کی فطری قوتوں میں خدائے ودیعت کر دی ہیں کلیتاً محو ہو چکے تو ایک ایسی ہی جامع صفات ہستی عالم وجود میں آئی جس کو ہم شہنشاہ کوئین رسول خدا اور شافع امت کے لقب سے یاد کرتے ہیں اس ہستی کا ظہور خطہ غرب میں ہوا جس کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں کوئی شخص خدائے واحد کا نام لے سکتا۔ شرک و بت پرستی کے ہنگامہ میں حق کی آواز دب کر رہ جاتی تھی لوگوں نے وہ راستہ اختیار کر رکھا تھا جس میں گمراہی و ضلالت، ثقافت و بے رحمی، استبداد و غنا کے سوا کچھ نہ تھا کوئی فتنہ گری کوئی گناہ اور کوئی شر انگیزی ایسی نہ تھی جو اپنے

شدید سے شدید درجہ تک پہنچ نہ گئی ہو۔ یہ خطہ دنیا کی تمام خباثتوں اور غیر انسانی اعمال و افعال کا گہوارہ بن چکا تھا گویا کہ ساری باطل قوتیں اس جگہ سمٹ کر آگئی تھیں۔

ایسی سوسائٹی اور قہر سانی نظام کو جس پر دگرام کے ذریعہ رسول خدا حضرت محمدؐ نے پٹا اس کا نام اسلام ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ کسی پر زبردستی یا یکایک تقویٰ نہیں کیا یہ ایک ایسا نسخہ تھا جس کے اجزاء کو الگ کر کے ضرورت کے مطابق سماجی امراض پر صرف کیا گیا چنانچہ سب سے پہلے جو خطرہ استعمال کیا گیا وہ تو حید تھی اس سے مدعا صرف یہ تھا کہ بتوں کی پرستش اور اعمال قبیحہ سے جو اضمحلال لوگوں کے قوار دماغی میں پیدا ہو گیا تھا دور ہو اور اپنے خالق واحد کی اطاعت اور سہارے کے سوا جمادات و نباتات کی پرستش سے باز آئیں۔ اس کا جو اثر ہوا وہ تاریخ داں حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وحدانیت کے ذریعہ جب مخلوق کا رشتہ اس کے خالق کے ساتھ استوار ہو گیا تو گمراہی کے تمام آتش کدے سرد ہو کر رہ گئے تمام باطل نقوش حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ اس توحید کے سرچشمہ سے ایسی شعاعیں پھوٹیں کہ ظلمت و ضلالت کے سائے تاریک گوشے روشن ہو گئے۔ غرض کہ اس انقلابی انسان اور ہادی برحق نے اپنے پر دگرام کے ذریعہ تھوڑے ہی عرصہ میں عمران و مدینہ کو تہذیب اور شائستگی سے آراستہ کر کے تاریخ عالم میں جدید ابواب کا اضافہ کیا قوم درنگ کی تخصیص کو یکسر بدل ڈالا غلاموں کو آزاد کیا عورتوں کو ان کے منصب پر بٹھایا عدل و انصاف کی بنیاد

مستحکم کی اور تاریخ انسانی میں سب سے پہلے لوگوں کو اخوت و بھائی چارے کے رشتہ میں منسلک کیا۔

ناطقہ سرگرمیاں اور عقل انگشت بنداں ہے کہ ایک یتیم اور بے یار و مددگار علوم ظاہری سے نا آشنا ہستی ایک عالمگیر انقلاب کی بانی کس طرح بنی اور پھر وہ انقلاب بھی کیسا کہ جس نے انسانی زندگی کے تمدنی، معاشرتی، روحانی اور دماغی اضمحلال کو از سر نو ایک نئی توانائی بخشی بقول حافظ

نگار ماکہ بملکت زلفت و خط نوشت : بہ غمزہ مسئلہ آموزہ صمد رس شد
آپ عرب کے ایک مشہور شہر مکہ میں اور قریش کے گھرانے
پیدائش میں جو ایک بزرگ اور ممتاز گھرانہ سمجھا جاتا تھا ۱۲ ربیع
الاول مطابق ۲۹ اگست ۱۵۰۰ء کو دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے۔ آپ
کے والد کا نام حضرت عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا۔ پیدائش کے
وقت سے ۲ ماہ قبل آپ کے والد خدا کو پیارے ہوئے، آپ کے دادا عبدالمطلب
نے آپ کو یالا یوسا، ان کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابوطالب نے
آپ کی پرورش کی۔

عرب کے عام دستور کے مطابق آپ بچپن میں گلہ بانی کرتے تھے
بچپن جو درحقیقت عالم کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا۔ راستبازی، بردباری
اور ایمان داری کے آثار کم سنی ہی میں پیدا ہو گئے تھے۔

سین بلوغ کو پہنچ کر اپنے چچا ابوطالب کی طرح
تجارت و دی تجارت کے مائل ہوئے۔ تجارت کی غرض سے شام و

بصری اور یمن کے متعدد سفر آپ نے کئے۔ تمام مورخ اس حقیقت پر متفق ہیں کہ کاروبار میں ہمیشہ آپ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے اور نہایت دیانتداری اور راستبازی کے ساتھ تجارتی امور کو انجام دیتے تھے۔ آپ کے حسن معاملہ اور صدق و دیانت کی بنا پر لوگ عام طور سے اپنا سرمایہ آپ کی امانت میں رکھ دیا کرتے تھے۔ آپ کے کاروبار میں شریک ہو جاتے تھے۔ اور آپ کو الامین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ایک متمول اور معزز خاتون نے جن کا نام حضرت خدیجہؓ تھا آپ کی دیانت داری کا شہرہ سن کر آپ کو اپنے مال تجارت میں لے جانے کے لئے معمور کیا۔ شام سے واپس آنے کے تین ماہ کے بعد آپ کی راستبازی اور اخلاق سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہؓ نے آپ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ حضرت خدیجہؓ بیوہ تھیں اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور آنحضرتؐ کی عمر ۲۵ سال۔ پھر بھی آنحضرتؐ نے رشتہ زوجیت قبول فرمایا اور شادی ہو گئی۔

مراقبہ و نزول وحی باوجود سفر و حضر میں آپ کے دل میں ہزاروں سوال پیدا ہوتے تھے۔ مثلاً بتوں کی پرستش کیا معنی رکھتی ہے، عربوں کی گری ہوئی اخلاقی حالت کا کیا سبب ہے، یہ قتل و غارت، لاقانونیت، بھیت و جہالت کا بازار کیوں گرم ہے۔ کوہ حرا کی چٹانیں کوہ طور کی سر بفلک چوٹیاں، وسیع آسمان پر چمکتے ہوئے تارے اور برستے ہوئے بادل ان میں کسی نے بھی ان کے ان سوالوں کا جواب نہیں دیا تو آپ نے

اپنے فکر کا مرکز اپنے نفس باطنی کو قرار دیا۔ چنانچہ مکہ منظمہ سے سہ ماہی کے فاصلہ پر ایک غار میں جس کو غار حرا کہتے ہیں جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ میں اپنے سوالوں کا جواب تلاش کرتے۔ انتہائی غور و فکر اور استغراق کے عالم میں آخر ایک دن فرشتہ 'غیب' نے آواز دی "پڑھ" اس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا، جس نے آدمی کو گوشت کے لوٹھڑے سے بنایا، پڑھ تیرا خدا کریم ہے، وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ اور وہ باتیں بتلا میں جو اس کو معلوم نہ تھیں۔

آپ نے گھر واپس آ کر حضرت خدیجہ سے تمام واقعہ بیان کیا، ورقہ بن نوفل جو تو رات و ابھیل کے ماہر تھے اس کیفیت کو سن کر کہا کہ یہ وہی ناموس الہی ہے جو موسیٰ پر اترا تھا گویا یہ ان کی نبوت کی تصدیق تھی۔ پیغامات و ارشادات ربانی کا یہ سلسلہ جس کو روحی کہتے ہیں پھوڑے پھوڑے وقفہ سے جاری رہا۔ جبریل امین نے آپ کو بار بار اطمینان دلایا کہ یہ وہی پیغام خداوندی ہے جو موسیٰ اور عیسیٰ پر نازل کیا جا چکا ہے، اب وقت آ گیا ہے کہ فرض نبوت ادا کیا جائے، لیکن اعلان نبوت میں جو مشکلات درپیش تھیں ان کے پیش نظر آپ نے نہایت احتیاط اور نرمی سے تبلیغ کا کام ابتدا میں اپنے خاندان کے افراد اور رشتہ داروں کے حلقہ میں شروع کیا۔ آپ کہتے تھے کہ "اے لوگو صرف ایک اللہ کی عبادت کرو، بنوں کی پرستش چھوڑو۔ یہ اچھی طرح جان لو کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں" کمزوروں پر ظلم مت کرو، یتیموں پر رحم کھاؤ اور بدکاریوں سے

باز آؤ۔ اس تبلیغ کے پہلے تین برس میں آپ کے حامیوں کی تعداد صرف تیس تک پہنچی۔ مگر دھیرے دھیرے آپ اپنے پیغامات کا دائرہ وسیع تر کرتے گئے 'ضعیفی' راہبر تہ میخواں جو ذوقِ فقرہ - کم یابی - اور ایک منزل وہ آئی کہ اس آفتاب رسالت کی شعاعیں خاندان اور قبیلہ کی حدود کو چیر کر سارے ملک میں ضوافشاں ہو گئیں۔

تبلیغ اسلام شروع شروع میں قریش مکہ نے آپ کی تبلیغ کو دیوانہ کا خواب سمجھ کر ٹالتے رہے، لیکن رضائے الہی کے کھلم کھلا اعلان کا وقت آگیا تھا، حکم ہوا کہ 'اے محمد جو پیغام تجھ پر نازل کیا گیا ہے۔ اس کو با شکوف کہہ دے' اور لوگوں کو خدا سے ڈرا۔ آنحضرت نے حکم کی تعمیل میں کوہِ صفا پر چڑھ کر کارا۔ 'مُعَشِّرِ قُرَيْشٍ' لوگ جمع ہوئے تو فرمایا کہ 'اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے چھپے سے ایک لشکر آئے گا تو کیا تم یقین کر لو گے۔ سب نے کہا کہ ہاں اس لئے کہ تم ہمیشہ سچ بولتے ہو۔' اس پر آپ نے ارشاد کیا 'تو پھر میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر شدید عذاب نازل ہو گا۔ یہ سن کر تمام سردارانِ قریش جس میں آپ کے چچا ابولہب بھی تھے۔ سخت برہم ہوئے۔ اور اٹھ کر چلے گئے' اس کے بعد آپ کا مشن باقاعدہ شروع ہوا ان چند اصحاب کے ساتھ جو ایمان لائے تھے حرمِ کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا۔ کفار مکہ کے نزدیک یہ جرم کی سب سے بڑی توہین تھی۔ دفعتاً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ مخالفت نے سراٹھایا، ہر طرف

سے لوگ آپ پر ٹوٹے پڑے۔ توحید کا کام جیسے جیسے بڑھتا گیا اہل قریش کی ایذا رسانی بھی بڑھتی گئی۔ حرم کعبہ کے راستہ میں کانٹے بچھا دیئے جاتے تھے۔ راستہ گلی میں کوڑا کرکٹ اور غلاطت آپ کے اوپر ڈال دی جاتی۔ غرض کہ طعن و تشنیع اور اذیت کوشی کا کوئی حربہ ایسا نہ تھا جو آپ کے خلاف استعمال نہ کیا گیا ہو۔ لیکن بادِ مخالف کا تیز سے تیز جھونکا بھی آپ کے پایہ ثبات کو نہ ہلا سکا، بہت سے ہمراہی شہید ہوئے، بری طرح ان کو زد و کوب کیا گیا، جھلستی ہوئی ریت پر کھٹیٹا گیا، بڑے بڑے پتھر ان کے سینوں پر رکھ دیئے گئے۔ ان سب باتوں کے باوجود آپ کا مشن عام ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آپ کے چچا حمزہ اور حضرت عمرؓ جیسے اکابرین قریش آپ پر ایمان لے آئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر کفار مکہ نے آپ کے چچا ابوطالب پر زور ڈالا کہ وہ آپ کو اپنے مشن کی تبلیغ سے روکیں، ابوطالب نے اپنی جان سے عزیز بھتیجے کی زندگی کو خطرہ میں دیکھ کر آپ سے کہا کہ وہ اس تحریک سے باز آجائیں۔ رسول خدا صلعم نے چچا کو جواب دیا وہ آپ کے ایمان و اتقان کی مضبوطی اور ان کے مشن کی سیاحت پر دلالت کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ "اے میرے چچا اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج رکھ دیں اور کہیں کہ میں تبلیغ سے باز آ جاؤں تو خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنے مشن سے اس وقت تک منحرف نہیں ہوں گا جب تک یہ تمکین کو نہ پہنچ جائے، اس سلسلے میں چاہے مجھے جان سے

ہاتھ کیوں نہ دھونا پڑے میں آلام و آزمائش کی سنگلاخ وادیوں سے
سینہ سپر ہو کر گزروں گا۔ مگر باطل کے سامنے سپر نہ ڈالوں گا۔
بہ دادی کہ در آں حضور اعصا خفت است

بہ سینہ محاسنم راہ گر چہ پا خفت است

اس جواب سے کفار مکہ آپ سے باہر ہو گئے اور ایذا رسانی کی
رفتار تیز کر دی۔ اس اثنا میں آپ کی زوجہ حضرت خدیجہ اور چچا ابوطالب
اس دنیا سے اٹھ گئے جو ان کے لئے سپر کی حیثیت رکھتے تھے کفار مکہ کو
آپ کی بے چارگی کا احساس ہوا، چنانچہ انھوں نے مخالفت کی مہم کو اور تیز
کر دیا۔ لیکن خدائے پاک کے سچے پرستار اور حق و انصاف کے پیغامبر نے کسی
طرح جبر و ظلم کے سامنے سپر نہیں ڈالی اور توحید کی تبلیغ بدستور جاری رہی
حضور سرور عالم۔ کے اشتغال اور سچائی کی تمام عرب میں دھوم مچا۔ مکہ
کے باہر کے لوگ بھی کافی تعداد میں ایمان لا چکے تھے۔ مدینہ والوں نے جب آپ
کا نام نامی سنا تو مکہ آئے اور حضور اقدس سے ملنے ہی اسلام قبول کیا۔

مکھوڑے دنوں کے بعد اہل مکہ کے ظلم و ستم کو دیکھ کر مدینہ کے
مہجرت مسلمانوں نے رسول اکرم سے درخواست کی کہ آپ مدینہ تشریف
لے لیں۔ آپ نے اس دعوت کو قبول کیا اور ہجرت کی تیاری کرنے لگے۔ کفار
مکہ نے آپ کو ہجرت سے روکنا چاہا۔ آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور آپ کے قتل
کے منصوبے باندھے۔ قریش کے ان ارادوں کی آپ کو خبر ہوئی تو آپ نے کعبہ
کی طرف رخ کیا اور فرمایا: کہ تو مجھ کو سارے جہاں سے عزیز ہے مگر

تیرے فرزندوں کو یہ گوارا نہیں کہ میں یہاں رہوں۔ ان الوداعی الفاظ کے ساتھ آپ نے مکہ کو خیر باد کہا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ دشمنوں کی زد سے بچتے ہوئے مکہ سے نکل کر غار ثور میں پناہ لی اور پھر وہاں سے مدینہ کی راہ لی آپ کی تشریف آوری کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی تمام اہل مدینہ آپ کے استقبال کے لئے چشم براہ تھی۔ آپ کو دیکھ کر تمام مدینہ تکبر کے نفروں سے گونج اٹھا مدینہ کا ہر خاندان آپ کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھا روزانہ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اسلام قبول کرتے تھے۔ مدینہ میں آپ کا پہلا کام مسجد نبویؐ کی تعمیر تھی۔ حضور اکرمؐ نے اپنے دست مبارک سے مسجد نبویؐ کی بنیاد ڈالی اور اس کی تعمیر میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شریک رہے۔ اسی مسجد کے لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "اس کی بنیاد تقویٰ (پرہیزگاری) پر رکھی گئی ہے۔ اس میں ایسے لوگ صف باندھ کر کھڑے ہوں جن کو طہارت صفا پسند ہے۔ بے شک خدا صاف رہنے والوں کا دوست ہے۔"

جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ مدنی زندگی اور غزوات آئے تھے وہ مہاجر کہلاتے تھے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے مہاجر بھائیوں کے ساتھ کماں مہربانی اور شفقت کا سلوک کیا۔ ان کی آباد کاری اور آرام کے تمام وسائل فراہم کر دیے۔ اسی خدمت کے سبب یہ لوگ انصار کہلاتے ہیں (یعنی مدد کرنے والے لوگ) مدینہ میں یہودیوں کی سازش اور افترا ریزی سے اسلام کے استحکام کو سخت خطرہ لاحق تھا۔ اس

لئے دوسرا براؤنڈم چھوڑے اٹھایا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان
امن و صلح کی راہ نکالی۔ اور ایک عہد نامہ کے ذریعہ دونوں فرقوں میں صلح و
صفائی ہو گئی۔ اس عہد نامہ کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر مدینہ پر کوئی بیرونی حملہ
ہوا تو یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ مدینہ میں اسلام کے استحکام اور
ترقی کا حال سن کر قریش مکہ آگ بگولہ ہو گئے۔ شروع میں قریش چھوٹے
چھوٹے چھاپہ مار دستے مدینہ کے اطراف میں بھیجتے رہے۔ ہوتے ہوتے یہ ابتدائی
جھڑپیں باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کر گئیں۔ قریش بڑے ساز و سامان
سے ۱۲ رمضان المبارک ۳ھ کو مدینہ کے نواح میں بدر کے مقام پر
صف آرا ہوئے۔ قریش کی فوج میں ایک ہزار سے زیادہ مسلح آدمی تھے۔
مسلمان مجاہدین کی تعداد صرف تین سو تھی۔

اس حضرت نے لات دھنل کے پرستاروں کا اتنا بڑا لشکر دیکھ
کر فرمایا "اے خدا تو نے مجھ سے جو وعدہ لیا تھا وہ آج پورا کر اگر تیرا وحدانیت
پر ایمان لانے والے یہ چند نفوس کو کفار مکہ کی کثرت اور غلبہ نے مٹا دیا تو
پھر قیامت تک کوئی تیرا نام نہ لے گا۔ اس دعا کے ساتھ ۳ سو فدیایان اسلام
اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر اور سر سے کفن باندھ کر میدان جنگ میں
کو دپڑے۔ نشہ توحید سے سرشار یہ مجاہد شیرانِ غاب کی طرح دشمنوں
کی صفوں کو پھیرتے چلے جاتے تھے ان کی تلواروں کی ضرب ایسی شدید ہوتی
تھی کہ ایک دار میں دشمنوں کے پرے کے پرے صاف ہو جاتے تھے۔ مجاہدین
اسلام کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کی تاب نہ لا کر قریش سمجھے ٹپنے لگے۔ یہاں
تک کہ ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ اور مسلمانوں کو فتح و نصرت کی بشارت ملی۔

جنگ کے خاتمہ پر پتہ چلا کہ مسلمانوں کے تین سو آدمیوں میں سے صرف ۱۴ آدمی شہید ہوئے۔ اس کے برخلاف قریش کے سینکڑوں آدمی مارے گئے اور قید ہوئے۔ یہ پہلا محاربہ تھا جس میں مسلم اقلیت کو کفار قریش کی کثیر جمیعت پر غلبہ حاصل ہوا۔ تاریخ میں یہ محاربہ جنگ بدر کے نام سے مشہور ہے۔

اسیران جنگ جب حضور
جنگ بدر کے اسیروں کے ساتھ سلوک کے سامنے پیش کئے گئے تو اس زمانے کے عام دستور کے مطابق نہ تو ان کو قید و بند کی سزائیں دی گئیں اور نہ کسی قسم کی اذیتیں، بلکہ کفار قریش نے کران سب کو آزاد کر دیا گیا عفو و کرم اور عدم انتظام کی ایسی نادر مثال تھی کہ دشمنان اسلام کی کثیر تعداد اسلام کا کلمہ پڑھنے لگی۔ ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

جنگ بدر کی شکست نے کفار مکہ کے آتش انتقام کو اور
جنگِ احد تیز کر دیا۔ چنانچہ غیفہ طور پر یکے والے جنگ کی تیاری کرتے رہے اور ایک دن پھر مدینہ پر حملہ کیا۔ کوہ احد کے پاس لڑائی ہوئی شروع میں مسلمانوں نے دشمنوں کو بری طرح پسپا کیا، مگر دشمنوں نے یہ چال چلی کہ شہادت کی جھوٹی خبر مشہور کر دی۔ یہ خبر ایسی تھی کہ اس کے سننے کے بعد مسلمانوں کے ہوش و حواس یکجا نہ رہے وقتاً اسلامی صفوں میں انتشار اور بے حسنی پھیل گئی، اس گمراہی سے فائدہ اٹھا کر لشکر اسلام پر دشمنوں نے منظم حملہ کیا نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کو میدان چھوڑ دینا پڑا۔ اس جنگ میں اکثر خواتین

اسلام نے بھی شرکت کی جن میں حضرت عائشہ اور ام سلیم کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں میدان کارزار میں اپنی جانوں کو انتہائی خطرہ میں ڈال کر مشنیں بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔

مسلمانوں نے اپنی بکھری ہوئی قوتوں کو پھر سے منظم کرنا **جنگ خندق** شروع کر دیا۔ مسلمانوں کی قریش مکہ نے پھر صف آرائی شروع کی اور مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے مقابلہ کے لئے قدم بڑھائے اور ایک خاص جگہ پر اپنے لشکر کو جمع کیا اور اس کے چاروں طرف خندقیں کھودیں۔ ان خندقوں کے گرد جو مورکہ ہوا اس کو جنگ خندق کہتے ہیں۔ اس میں مسلمانوں نے دشمن کے چھکے چھڑا دیے، جب دشمنوں نے دیکھا کہ وہ کسی صورت میں بھی خندقوں کو پار کرنے میں داخل نہیں ہو سکے تو محاصرہ اٹھالیا اور بے نیل و مرام واپس گئے۔

ابھی ان نبرد آزما یوں سے فرصت نہ ملی تھی کہ **یہودیوں کا فتنہ** مدینہ کے یہودیوں نے سراٹھایا۔ یہ صلح کے عہد نامہ کی خلاف ورزی تھی، دجہ یہ تھی کہ مدینہ میں اسلام کی ترقی اور استحکام سے یہودیوں کے جابرانہ اقتدار کمزور پڑتا جا رہا تھا۔ اب مسلمان عام طور پر یہودیوں کے قرض اور سود کے شکنجوں سے آزاد ہوتے جاتے تھے۔ مسلمانوں کی زمینوں پر ساہا سال سے سود کے عوض یہودیوں نے ناجائز قبضہ کر لیا تھا۔ یہودیوں کی منظم سازش جس کا مقصد مسلمانوں کا استیصال تھا۔ آخر جنگ کی صورت اختیار کر گئی اور خیبر کے مقام پر یہودیوں اور مسلمانوں میں سخت مورکہ ہوا۔

یہودیوں کو شکست فاش ہوئی۔

پھر بھی بیرونی خطرہ ابھی مٹا نہیں تھا
صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کفار مکہ از سر نو جنگ کی دھمکیاں دے
 رہے تھے۔ مدینہ سے جو مسلمان حرم کعبہ کی زیارت کے لئے جاتے تھے ان کو
 قریش اسیر کر لیتے تھے۔ آئے دن کی ان آویزشوں اور جھگڑوں کو ختم
 کر کے امن قائم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ صلح و آشتی کا کوئی معاہدہ قریش
 مکہ سے کیا جائے۔ چنانچہ رسول خدا نے بڑے غور و فکر کے بعد حدیبیہ کے
 مقام پر (مکہ سے ایک منزل پر ایک گاؤں) قریش کے نمائندوں سے صلح
 کی بات حیت کی اور ایک معاہدہ تیار کیا گیا جس کی شرطیں بظاہر قریش
 مکہ کے حق میں تھیں۔ اکثر اصحاب نے اس کو ناپسند فرمایا مگر رسول خدا
 نے بہ حکم ربّی اس کو مسلمانوں کی فتح سے تعبیر کیا۔ اس معاہدہ کا ایک بڑا
 فائدہ یہ ہوا کہ حج کعبہ میں مسلمانوں کے لئے جو رکاوٹیں تھیں وہ ہٹ گئیں اور
 فتح مکہ کے لئے زمین ہموار ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد صلح حدیبیہ کی شرائط
 کے خلاف کفار قریش مدینہ سے مکہ جانے والے مسلمانوں کو پھرتنگ کرنا
 شروع کیا اور حج کعبہ سے روکا جس کا لازمی نتیجہ جنگ کی صورت میں
 سامنے آیا۔ رسول اللہ ایک جرّار لشکر لے کر مکہ کی طرف بڑھے اور بغیر
 خون ریزی کے مکہ فتح ہوا۔ اس فتح کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔
 نہ کسی کو اسیر کیا گیا اور نہ کسی کی بے حرمتی کی گئی اور نہ اس کی جائیداد پر قبضہ
 کیا گیا۔ تمام وہ مظالم جنہیں قریشیوں نے پیغمبر اسلام اور ان کے پیروؤں پر

توڑے تھے۔ فراموش کر دیئے گئے اور بجز چند اشخاص کے کسی سے
 باز پرس نہ کی گئی۔ یہ اعلان کر دیا گیا کہ ہر شخص آزاد ہے اور ہر ایک
 کو امن و امان ہے۔ فتح مکہ کے بعد اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ رفتہ
 رفتہ تمام قبائل نے خود پیش قدمی کر کے اسلام کی اطاعت قبول کی۔
 دراصل صلح حدیبیہ کے بعد ہی اسلام کا پیغام رسول خداؐ نے قیصر روم
 شہنشاہ عجم اور عزیر مصر جیسے با اقتدار بادشاہوں کو ارسال کرنا شروع
 کر دیا تھا جو لوگ یہ دعوت حق لے کر جاتے تھے وہ اپنے اخلاق اور اعمال
 سے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی سچائی کا سکہ بٹھا دیتے تھے۔ فتح مکہ
 کے بعد دعوت اسلام اور بھی زیادہ عام ہو گئی اور نئے انقلاب کی بنیادیں
 مضبوط ہونے لگیں۔ لوگوں نے فسق و فجور، بدکاری اور بد اعمالی کے راستہ
 کو چھوڑ کر شارع اسلام کے بتائے ہوئے راستہ کو اپنایا۔ جنگ و
 جدل اور خون ریزی کا دروازہ بند ہوا اور امن و آشتی کا دروازہ کھلا۔
 تاریخ میں پہلی مرتبہ خطہ عرب میں انسانیت کو شرف کا مقام حاصل ہوا
 ورنہ اسلام سے پہلے جہالت اور ضلالت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس انقلاب
 عظیم کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ ہادی رہبر رسول خداؐ نے جو تعلیم لوگوں
 کو دی اس پر خود عمل کر کے دکھلایا۔ اپنی زندگی کو تعلیمات اسلامی کا مکمل
 نمونہ بنا کر پیش کیا۔

پیغمبر اسلام کی عادت و خصائص اول تا آخر انسانیت مساوت
 رسول پاک کی پوری زندگی از

نیکی سچائی اور سادگی کی آئینہ دار تھی۔ آپ نے تمام عالم کو اخلاق انسانیت اور سچائی کا سبق سکھایا۔ آپ نے فرمایا ہے بَعْدَتْ لَاحِقَتُهُمْ مِّنْكَافِرٍ مَّا الْخُلَاقُ۔ یعنی مجھے اچھی عادتوں کے پورا کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔

سادگی رسولؐ پاک ہمیشہ سادہ اور صاف کپڑے پہنتے تھے آپؐ نے اپنے اور اپنی امت کے لئے حرام کر دیا۔ حضورؐ کے لباس میں بھڑک اور نمائش نہیں ہوتی تھی اکثر کپڑوں میں سیوند لگے ہوتے تھے عام طور سے لباس کرتے بہتہ اور پگڑی اور چادر پر مشتمل ہوتا تھا۔ ہمیشہ موٹے بستر پر آرام فرماتے تھے ایک رات حضرت عائشہؓ نے بستر کی چار تہیں کر دیں تھیں تاکہ زیادہ آرام ملے۔ رسولؐ اکرمؐ نے فرمایا اس کو پہلے ہی جسا کر دو رات کو بستر نے مجھ کو نماز سے روکا۔ اسی طرح ایک بار کچھ صحابوں نے جسم مبارکؐ پر چٹائی کے نشان دیکھ کر آپؐ کو نرم بستر کی پیشکش کی۔ آپؐ نے فرمایا ”میری مثال اس مسافر کی سی ہے جو چار گھڑی کے لئے کسی سایہ دار درخت کے نیچے لیٹ جائے اور پھر اپنی راہ لے۔ اس لئے مجھے اس عارضی زندگی میں نرم بستر نہ چاہیے۔ حضورؐ انورؐ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ کپڑے خود سی لیتے اور جوتیاں دست مبارکؐ سے گانٹھ لیتے جیسا کہ بتلایا جا چکا ہے کہ مسیح نبویؑ کی تعمیر میں بھی آپؐ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ

برابر کام کرتے رہے۔ کھانا ہمیشہ سادہ کھاتے تھے۔ روزانہ کی غذا جو کی روٹی تھی، وہ بھی کبھی پیٹ بھر کر نہ کھاتے تھے۔ اس لئے کہ جو کھانا موجود ہوتا پہلے بھوکوں کو کھلا دیتے۔ اپنے رشتہ داروں کو بھی سادہ زندگی بسر کرنے کی ہدایت کرتے۔

حضرت فاطمہ زہرا جو آپ کی بہت ہی قیمتی صاحبزادی تھیں، اپنا سارا کام خود کرتیں، چلتی پیسنے سے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔

ایک بار حضرت فاطمہ زہرا نے آپ کی خدمت میں دعاؤں کی تعلیم دی اور فرمایا کہ یہ دعائیں تمہارے لئے خادمہ سے زیادہ بہتر ہیں۔

چھوٹوں کے ساتھ سلوک رسول پاک اپنے نوکروں کے لئے سب سے اچھے آقا تھے۔ بچوں کے لئے سراپا محبت باپ تھے۔ بیویوں کے لئے بہترین ہمدם اسی طرح تمام رشتہ داروں کے لئے نہایت ہی مشفق بزرگ تھے۔ حضرت انس آپ کے خادم تھے وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اکرم کی دس برس خدمت کی اس تمام مدت میں ایک مرتبہ بھی مجھ پر غصہ نہ ہوئے اور نہ یہ کہا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا، حضور دل شکنی کو بہت ناپسند فرماتے تھے۔ کبھی اپنی زبان مبارک سے ایسی بات نہ کہتے جس سے دوسرے کو تکلیف پہونچے۔

نہ کسی پر لعنت کرتے نہ کسی کے لئے بد دعا کرتے اور نہ برا بھلا کہتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم کی طبیعت میں کسی قسم کی سختی و بد مزاجی نہیں تھی آپ کو کبھی کسی کو ڈانتے ہوئے نہیں دیکھا گیا اور نہ برائی کے بدلہ میں برائی کرتے خداوند کریم نے آپ کی ذات میں عفو و درگزر کا مادہ بدرجہ اتم و دلیت کیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ سر پایا صبر و تحمل تھے سخت سے عفو و درگزر سخت مشکلوں اور گنہگار مکہ کی انتہائی بدتمیزیوں پر بھی آپ کبھی جذبات سے مغلوب نہیں ہوئے۔ برائی کا بدلہ ہمیشہ بھلائی سے دیتے تھے اور خدا سے دعا کرتے کہ اس کو نیکی عطا فرما۔

حضور سرور کائنات حد درجہ سخی تھے۔ آپ سخاوت و استغنا فرماتے تھے کہ اگر کوہ احد کے برابر بھی سونا ہو تو میں تین دن میں غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دوں۔ کسی کے ساتھ سلوک کرے تو اس طرح کہ خود کو بھی محسوس نہ ہو کسی کو کچھ دینا ہوتا۔ اسی سے اس کی چیز خریدتے دام دینے کے بعد وہ چیز بھی اسے تحفہ کے طور پر دے دیتے۔ ایک بار آپ کے پاس اتنی بکریاں تھیں کہ تمام میدان بکریوں سے بھرا تھا ایک دیہاتی نے سوال کیا 'ساری بکریاں اسے دے دیں۔' حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب مرض الموت میں گرفتار تھے تو آپ کے پاس کہیں سے کچھ روپیہ آئے۔ اپنے سارے روپیہ ضرور تمناؤں میں تقسیم کر دیئے اتفاق سے کچھ روپیہ بچ گئے تھے جب تک وہ بھی بانٹ نہیں

رسول پاک یحییٰ سے عدل و انصاف کے لئے مکہ
انصاف پسندی میں مشہور تھے ایک مرتبہ مکہ والوں نے کعبہ کو
 پھر سے بسایا۔ جب تعمیر مکمل ہو چکی تو حجر اسود کو اٹھانے گئے فحش قبیلوں
 کے سرداروں میں جھگڑا ہو گیا۔ (کیوں کہ حجر اسود بڑا تاریخی اور متبرک پتھر
 ہے) جب یہ مقدمہ رسول خدا کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے ایک چادر
 منگوائی اور حج اسود کو اس پر رکھ کر کہا اب تم سب چادر کا ایک ایک
 کونہ پکڑ لو۔ اس طرح سے حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کر دو۔ آپ
 انصاف کے معاملہ میں کبھی کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ چاہے وہ کیا
 ہی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ فرماتے تھے کہ عدل و انصاف کے معاملہ میں کسی کی
 طرفداری نہ کرو خداوند تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دست رکھتا ہے۔ یہ
 ہیں مختصر حالات زندگی اس رسول اللہ کے جس نے دین ابراہیمی کو از سر نو
 تازہ کر کے آتش کدہ نمود کو گلزار بنا دیا۔

آخر وہ وقت آگیا جب ان کے مولانا ان کو اپنی طرف
وصال واپس بلایا۔ آخری حج کے موقع پر بس میں ایک لاکھ چوبیس
 ہزار مسلمان شریک تھے آپ نے لوگوں کو دین اسلام کا تکمیل کا مرزہ بنایا
 اور معمولی علالت کے بعد تریسٹھ سال کی عمر میں اپنے مولا سے جا ملے۔

فرمودات رسولؐ

علم . علم مومن کا دوست ہے ، عقل اس کی دلیل راہ اور عمل اس کی قیمت ہے ۔

۱۔ علم کو حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو۔

۲۔ شیطان پر ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

۳۔ علم اسلام کی زندگی ہے اور دین کا ستون۔

۴۔ جو عمل میں پیچھے رہا اس کو نسب کار آمد نہیں
سعی و عمل ہو سکتا۔

۵۔ بلند ہمتی اور جہد ایمان کا حصہ ہے۔

بہترین وہ گھر ہیں جن میں یتیم

رحم و شفقت و حسن سلوک کے ساتھ حسن سلوک بڑا جا رہا

ہے ، اور بدترین وہ گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ بد سلوک

۱۔ رحم کرنے والوں پر خدا کا رحم ہوتا ہے۔ تم اپنا زمین رحم کرو خدا تم

پر رحم کرنے والا ہے۔

دفع ایذا ۱۔ مسلمان وہی ہے جس کی زبان سے اور جس کے ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں

۲۔ وہ مومن نہیں جس کے خطرات سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔

۱۔ ظلم قیامت میں تاریکی ہی تاریکی ہے۔

ظلم ۲۔ مظلوم کی فریاد ہے کچھ اس لئے کہ وہ خدا سے اپنا حق مانگتا ہے اور خدا کسی صاحب حق کے حق کو نہیں روکتا۔

۳۔ ظالم اپنے ظلم سے صرف اپنی ہی ذات کو نقصان پہنچاتا ہے۔

۴۔ جو شخص جان بوجھ کر ظالم کے ظلم کی اعانت کرے وہ مسلمان نہیں۔

کوئی اس وقت تک مومن کہلانے کے لائق نہیں جب تک

مساوات اس میں یہ جذبہ پیدا نہ ہو جائے کہ اپنے بھائی کے لئے دہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۲۔ مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ اس لئے خدا کے لئے محبوب ترین وہ شخص ہے

جو خدا کے کنبہ کے ساتھ اخوت سے پیش آئے۔

۱۔ حق بات کہو اگرچہ تلخ و ناگوار گذرے

اعلان حق ۲۔ افضل ترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات

کا ظاہر کرنا ہے۔

۱۔ جس بات سے ضمیر میں کھٹک پیدا ہو اس سے بچو۔

احتیاط ۲۔ سکونت مکان کے قبل پڑوسی کو دیکھ لو۔

۳۔ دوست کی دوستی اور دشمن کی دشمنی میں حد سے نہ بڑھو۔

چند اسلامی تصورات پر ایک نظر

خدا کی یکتائی (جس کو اصطلاح میں توحید کہتے ہیں) کا یقین کامل اسلام کا رکن اول ہے اور باقی ارکان اس کے تحت ہیں ابتداءً آفرینش سے جتنے بھی مذاہب دنیا میں آئے ان سب نے ایک قادر مطلق کا تصور پیش کیا لیکن اس قادر مطلق کی ہستی اور وجود اس کے مظاہر اور صفات اور اس کی عبادت و پرستش کے نظریات میں ہمیشہ اختلاف رہا۔ اور ایک عرصہ دراز تک یہ مسئلہ فلسفیانہ موثر گائیوں اور عقلی دلائل و براہین میں الجھا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس ردئے زمین پر بسنے والے انسانوں کی آبادی مختلف خداؤں میں تقسیم ہو گئی ہر قوم اپنے خدا کو دوسری قوم کے خدا سے برتر سمجھنے لگی۔ اس طرح اخوت انسانی کے رشتے ٹوٹ گئے۔ اسلام نے پہلی مرتبہ کلیتاً اس صورت حال کو بدلا اور بڑی بلند آہنگی سے اعلان کیا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی اللہ نے یہ واحد ہے اس کے سوا کوئی واحد نہیں اس کا وجود تمام مادی اور ذوال آئادہ اجزائے منجزہ دیاک ہے ذات اور صفات دونوں میں یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں نہ اس نے کسی کو جنم دیا ہے اور نہ کسی نے

اس کو اس کی ہستی لافانی ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اس کے صفات اور اس کے لائق توفیق ناقابل تقسیم اور غیر مشترک ہیں۔ اس کی حاکمیت اٹل ہے۔ قرآن نے بار بار جس بات پر زور دیا ہے وہ یہ کہ خدا محض ایک خیالی تصور کا نام نہیں ہے بلکہ وہ موجود بالذات بھی ہے اور حاضر و ناظر بھی۔ جہاں تک کہ اگر ہم غور کریں تو ہم اس عالم گیر ہستی کو اپنی رگ گلو سے قریب یا میں گے۔ انسان کو خاص طور پر توازن فطرت اور رموز کائنات پر غور و فکر کرنے کی ہدایت کی ہے اور خدا تک پہنچنے یا اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تفکر و تدبر کو بتلاتا ہے اگر ہم اپنے ادراک سے کام لیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ خدا علیم بھی ہے اور سمیع و بصیر بھی۔۔۔ تہا بھی ہے اور غفار بھی، رحیم و کریم بھی اور عذاب نازل کرنے والا بھی چنانچہ کمال جمال، سورج کا جلال، کواکب کی گردش، یہ سب عطیات ہیں اسی ذات الہی کے۔ عالم کی رنگارنگی، اس کے صبح و شام اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہیں۔

قرآن نے جو سب سے اہم نظریہ خدا کے متعلق پیش کیا ہے وہ اس کی ربوبیت کی صفت ہے، یعنی وہ بالکل ہمارے تمام عالم کا (دیکھئے سورہ الحمد) رب العالمین کہہ کر ساری نوع انسانی کو وہ خواہ کسی خطہ ستیسی کیوں نہ آباد ہو، ایک حاکم اور ایک مالک کی پناہ میں دے دیا۔ یہ انقلابی تصور کہ خدا کمالی قوم یا ایک خاص گروہ کا خدا نہیں ہے بلکہ سارے عالم کا خدا ہے رنگ و نسل اور جغرافیائی حدود کے امتیازات کو جو نسل انسانی

میں فتنہ و فساد کا باعث ہیں، بیکسر ختم کر دیتا ہے۔ کوئی بڑا ہویا پھوٹا، گورا ہویا کالا، آتا ہویا غلام اس کے انعام و اکرام اور اس کے رحم و کرم کے مساوی طور پر حقدار ہیں۔ اس کی بخشش کے دروازے سب کے لئے یکساں طور پر کھلے ہیں۔ اس کے حضور میں سب کی رسائی ہے۔

خدا کی وحدانیت اس کے صفات اور اس کی قدرت کا ملکہ کا یقین ہمارے ذہن کو قانون قدرت اور تخلیق کائنات کے مقصد کی طرف لے جاتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات خود بخود یا اتفاقی طور پر عالم وجود میں نہیں آئی۔ قرآن نے تشریح کے ساتھ بتلایا ہے کہ یہ کائنات خدا نے اپنی حکمت سے سوچ سمجھ کر بنایا ہے اور اس کے نظام کو ایک عالمگیر قانون کا تابع کیا ہے۔ اس نظام کے تمام کل پرزوں میں ایک ہم آہنگی اور ربط ہے۔ اس کے تمام عناصر کے درمیان ایک بے مثال توازن ہے، ہر عنصر کی ایک حد مقرر ہے جس کے اندر وہ کردہ اپنا عمل کرتا رہتا ہے۔ اس کائنات کے ایک ایک ذرہ کی ساخت میں ایسے زیر دست عناصر پنہاں ہیں کہ اگر وہ اپنی متعین حدود سے نکل کر ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں تو نظام عالم زیر و زبر ہو جائے۔ قرآن کہتا ہے کہ غور کرو ان بڑے بڑے سیاروں کی گردش پر (جن کی صحیح جہا مت کا ہم ابھی تک پورا ادراک نہیں کر سکے ہیں) یہ سب خدا کے قانون میں اس طرح بندھے ہوئے ہیں کہ اپنے مقررہ محوروں سے باہر نہیں نکل سکتے۔ اگر یہ یوں ہی چھوڑ کر جائیں اور ایک بالادست ہستی کی گرفت سے آزاد ہو جائیں تو اس کائنات کا توازن بگڑ

جائے۔ اور دنیا کا سارا ڈھانچہ پاش پاش ہو جائے۔ سورہ یونس میں
 اور پھر سورہ یسین میں خدا کی قدرت اس کی حکمت اور اس کے قانون
 کی گہرائی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ”ہم نے سورج اور چاند کے بڑھنے
 اور گھٹنے کی منزلیں متعین کی ہیں۔ سورج کے لئے ممکن نہیں کہ چاند کو پالے
 اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ ہم نے اس طرح لوگوں کو برسوں
 اور تارکیوں کا حساب بتلایا۔“ قرآن کے تکرار کے ساتھ ذہن انسانی کو اس
 نظام عالم اور قانون قدرت کو اپنے ادراک سے سمجھنے کی تاکید کی ہے۔ فردن
 وحشت و جہالت میں انسان اس کے ادراک سے قاصر تھا۔ مگر آج کی دنیا
 میں انسانی تجربات و مشاہدات قرآن کے تصور کائنات و قانون الہی کے
 نظریہ کی صداقت کو ہم پر منکشف کرتے جاتے ہیں اور توہمات کے پردے ایک
 ایک کر کے اٹھتے جاتے ہیں۔

اور پھر اس کائنات میں جو اصول کار فرما ہیں اس کو سمجھانے کے
 لئے قرآن نے منطقی دلائل و براہین سے گریز کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی مبین
 نشانیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سیاروں کی گردش۔ دن اور رات
 کا تغیر طائر وں کی پرواز۔ دریاؤں کا بہاؤ۔ پہاڑوں کی عظمت۔ حیوان
 ناطق کی بویاں۔ مناظر فطرت کی رنگارنگی۔ یہ سب نشانیاں
 ہیں جن کے ادراک سے انسان خدا اور اس کی قدرت کا ملہ کا عرفان
 حاصل کر سکتا ہے۔ خدا کے عرفان کے لئے قرآن نے نفس انسانی یعنی اس کی
 جبلت و خصلت کو مخاطب کیا ہے۔ اس لئے کہ خدا نے اپنی ذات کا یقین

انسان کی فطرت میں ڈال دیا ہے۔ پھر انسان خدا کے وجودیت سے کیسے انکار کر سکتا ہے اگر وہ انکار کرتا ہے تو گویا اپنی فطرت سے انکار کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام کا یہ فرمان کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو، خدا تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا کتنا سیدھا اور آسان طریقہ ہے۔ اس کی تلاش دور از کار افکار اور کبھی نہ ختم ہونے والی بحثوں کے ذریعہ کرنا ایک فعل عبث ہے، بقول اکبر سہ فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں

دور کو سلجھا رہا ہے اور سر ملتا نہیں

حالات کہ اس عرفان الہی کی دور کا سرا خود اس کے ہاتھ میں ہے خود اپنی بے خبری اور کم نظری سے ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔

قرآن نے کائنات میں حیات انسانی کے مقصد پر بھی کافی روشنی ڈالی ہے۔ قرآنی آیات میں انسان کو اس کائنات کا اہم ترین جزو بتایا گیا ہے۔ اس کی زندگی اور موت اور سارے مسائل اسی کائنات اور مسائل کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پھر خدا جس طرح کائنات کا مالک ہے انسان کا بھی حاکم و آقا ہے۔ اس لئے انسان پر لازم آتا ہے کہ ضابطوں کی اطاعت کرے۔ قرآن نے کائنات کے ساتھ انسان کے رشتے کو بتلایا ہے اور اس میں اس کے درجہ و مرتبہ کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے کہ

هو الذی بمعلمک خلا کف فی الارض و رفع بعضکم فوق بعض۔

یعنی خدا نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ہے اور ان میں

سے بعض کے درجے بعض سے بلند کیے ہیں، لیکن شرط یہ لگا دی کہ وہا
 خلقت الجن والانس الایبید و ان کہ وہ خدا کی بندگی کریں اور
 اللہ کی بندگی اللہ کے قانون کی اطاعت ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ اور
 اللہ کا قانون کس طرح اور کہاں سے آئے گا اس کے بارے میں بھی ارشاد
 فرمایا: "اے آدم وحواء تم سب زمین پر جاؤ۔ تمہارے پاس میری جانب
 سے ہدایت آئے گی جو لوگ اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو کوئی غم
 لاحق نہ ہوگا (یعنی ۴) پھر دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے کہ اے آدم آدم
 اگر تمہارے پاس خود تم میں سے رسول آئیں جو میرے احکام تم سے بیان
 کریں تو تم میں سے جو ان کو اختیار کریں ان کو کوئی خوف لاحق نہ ہوگا (اعراف)
 ان آیات سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ خدا کی جانب سے انسان کی رہنمائی
 کے لئے ہدایت لانے والے کچھ منتخب لوگ ہوں گے جنہیں قرآن کی اصطلاح میں
 نبی در رسول کہا جاتا ہے اور پھر یہ ہدایت کسی ایک قوم یا ملک کے لئے مخصوص
 نہ ہوگی، جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ وان من امت الا خلا فیہا نذیر
 یعنی کوئی بھی قوم ایسی نہیں ہے جس میں اللہ کی طرف سے ہوشیار کرنے والا
 نہ آیا ہو۔ دین اسلام دراصل انھیں ہدایتوں کا نیوٹ ہے جو آدم، نوح اور
 داؤد، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کی معرفت و تقابلاً بھیجا گیا۔ محمد رسولوں
 کے سلسلے کی آخری کڑی ہیں اور قرآن اس قانون الہی کی جو ابتداء آفرینش
 سے انسان کی رہنمائی کے لئے بھیجا جا رہا تھا، ایک مرتب اور مکمل دستاویز
 ہے۔ ایسی ہدایت کو اس اس قانون الہی کو بروئے کار لانے کے لئے انسان کو

خدا نے علم و دانش سے سرفراز کیا اور اپنا نائب بنایا اس طرح تمام مخلوقات میں اس کو فوقیت بخشی اور ساری کائنات کو اس کے تابع کر دیا کہ وہ ذرہ سے لے کر آسمان تک کی تسخیر کر کے اور ان کے قائدوں کو عام کرے۔ ساتھ ہی خلافت دنیا بت الہی کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے یہ بھی بتا دیا کہ انسان اپنے اعمال آخرت میں ہی تمام سعی و کوشش کا مقصد و رضائے الہی کو سمجھے، اور عذاب سے ڈرے، تحفی اور قومی اغراض کی بندگی اور ہواد ہوس کی غلامی سے بیکسر آزاد ہو، اس کی سیرت ایسی ہو کہ جب ملک کی دولت اس کے قبضہ میں آئے تو اس دولت کو "امانت" کے سوا کچھ نہ سمجھے طاقت کے نشہ میں بدمست نہ ہو۔ اس کا عدل اور اس کا انصاف ایسا ہو کہ لوگ اس کی حفاظت میں اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی طرف سے بے خوف ہو جائیں۔ جب یہ نائب خدا فاتح کی حیثیت سے کسی خطہ میں داخل ہو تو لوگوں کو اس کے لشکر سے قتل و غارت، لوٹ مار، بدکاری اور شہوت رانی کا کوئی اندیشہ نہ ہو، خلافت الہی کا یہ نظریہ اقباعی زندگی میں خود مختاریت، انانیت اور استبداد کو یکسر ختم کر دیتا ہے اور ایک بالکل نئے اخلاقی اقدار پر سوسائٹی کی عمارت تیار ہوتی ہے جس کا نمونہ رسول خدا اور خلفائے راشدین کے زمانہ کی سوسائٹی تھی جس کی اساس کلمہ حق، "اشھد ان لا الہ الا اللہ" پر رکھی گئی تھی جو اس بات کا اعلان تھا کہ ہم ان لوگوں کا کوئی بادشاہ نہیں سوائے خدا کے۔ ایک اللہ کے سوا ہم سب سے

منحرف ہیں ایسی ہی طرز کی سوسائٹی نے تاریخ کے اسلامی دور میں
 نسل پرستوں کی نسلی برتری قوم پرستوں کی قومیت، جابر حکمرانوں
 کی حکومت، غنیم پرستوں کی آزریت اور لات و ہیل کی خواہشات کا
 تختہ الٹ دیا تھا۔ اور انسانوں کو بلا تفریق رنگ و نسل اخوت و
 محبت کے رشتہ میں منسلک کر دیا تھا۔ اس طرح خدا کے قانون کی اس
 ہدایت کو کہ خدا نے ساری دنیا کے لوگوں کو ایک ہی مادہ سے پیدا کیا اور سب
 آدم کی اولاد ہیں، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی گورے کو کسی حبشی پر دین و
 تقویٰ کے علاوہ کوئی فضیلت نہیں ہے، پورا کر کے دکھا دیا۔

قرآن میں تقدیر کے مسئلہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن
 اس تصور کو اس معنی میں کہ جس سے ہماری قوت عمل اور حرکت کمزور
 پڑ جائے نہیں پیش کیا گیا ہے بلکہ یوں کہا گیا ہے کہ خدا کا علم محیط ہے تمام
 انسانی افعال پر وہ جانتا ہے کہ کون سا فعل کس اجر کا مستحق ہے۔ اگر
 ہم کو اپنے کسی عمل کے نتیجے پر سختی اٹھانا پڑتی ہے۔ تو قرآن کے تصور تقدیر
 کے مطابق اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ سختی پہلے ہی سے خدا نے اس کے لئے
 لکھ دی تھی بلکہ یہ سختی اس کی کوتاہی عمل کا نتیجہ ہے جس کی اصلاح وہ کر سکتا
 ہے۔ اگر مسلمانوں کی ایک جماعت سیاسیات و معاشیات سے نااہل ہو، ریاضی
 سے نادان، ثقافت، خیراتیہ و تاریخی سے بے خبر ہو۔ اور اپنی نادانیاں و غیبت کی یہ دلیل
 پیش کرے کہ خدا نے ہمارے مقدر ہی میں لکھا تھا کہ ہم جاہل رہیں تو یہ سراسر
 تعلیمات قرآنی کے خلاف ہے۔ چون کہ یہ مسئلہ انسانی افعال و اعمال میں

اضلال پیدا کرتا ہے اسی لئے رسول خدا نے اس مسئلہ پر سوچنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ قرآن تو صرف عملِ پیہم و جہدِ مسلسل کی قیام دیتا ہے۔ ہاں یہ البتہ کہتا ہے کہ نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے تو ڈرو اگر تمھاری جہد و جہد قوانین الہی کے اصولوں کے مطابق ہے تو تم ضرور سرفراز ہو گے۔

یقین محکم عملِ پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی تمیزیں

اسلامی تعلیمات پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں حیاتِ انسانی نے مادی اور روحانی پہلوؤں میں ایک توازن ملتا ہے ہم کو اپنے روحانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اسلام رہبانیت اور دنیا سے کنارہ کشی کی تعلیم نہیں دیتا ہے بلکہ ان تقاضوں کو مادی تقاضوں کے ساتھ ساتھ پورا کرنے کی ہدایت کرتا ہے یہ زمینی زندگی قرآن کے مطابق ایک نعمتِ الہی ہے اس کی سختیوں اور درشتیوں سے تنگ آکر اس کو ترک کر دینا مقصدِ تخلیقِ آدم کے منافی ہے۔ ہاں یہ ضرور بتایا ہے کہ اپنی مادی خواہشات میں اس درجہ محو نہ ہو جاؤ کہ تمھاری روحانی زندگی دب کر رہ جائے۔ قرآن نے ساری دنیا کو ایک تجربہ گاہ ایک اعمال کی کسوٹی قرار دیا ہے جہاں سے گذر کر آخرت کے دن اپنے اپنے اعمال کا حساب خدا کو دینا ہو گا۔ اسلامی نظریہ کے مطابق حیاتِ بعد از ممات کا نام ہے۔ چیزیں فنا ہو جاتی ہیں مگر زندگی فنا نہیں ہوتی۔ موت صرف نام ہے جامہ ہستی کے بدل جانے کا موت جب ہستی کے اجزاء کو منتشر کر دیتا ہے تو حیات جو ایک ابدی طاقت ہے از سر نو ان کی شیرازہ بندی کر دیتا

۳۲
ہے۔ حیات کا چہرہ کبھی خشک نہیں ہوتا۔

زندگی پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ

ہے جو اس سہم دواں سہم دواں ہے زندگی

تخلیق حیات موت اور پھر حیات ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں

لہذا جو پیدا ہوا ہے وہ فنا ہوگا اور فنا ہو کر پھر اٹھایا جائے گا۔ وہ

لوگ جو حیات بعد از موت پر شک کرتے ہیں ان کے لئے قرآن میں اللہ

تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگو میں نے ایک تخم سے تمہاری تخلیق کی بنیاد

ڈالی۔ پھر تمہارا ڈھانچہ گوشت و پوست سے بنایا اور اس میں روح

پھونکی اور میں نے تم کو مقررہ مہل تک کتم شکم میں رکھا، تم میرے

حکم سے اس دنیا میں آئے جس کو یہ قدرت حاصل ہو تو کیا وہ تم کو

مرنے کے بعد پھر نہیں بنا سکتا ہے۔

مدعا یہ ہے کہ خدا کی یہ ساری کائنات محض انسان کی عارضی

تفریح کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اعمال و افعال کی اسماں گاہ بھی ہے۔

جس کا حساب کتاب اس دنیا کے بعد دوسری دنیا میں اس کو خدا کے سامنے

دینا پڑے گا گویا آخرت کا تصور دے کر خدا نے انسان کی سفلی طاقتوں کو

ابھرنے سے روکا اور اس کی نیک صفات کو غالب کیا تاکہ دنیا میں اس کے

بندے بن کر رہیں۔ دوسرے الفاظ میں آخرت کا تصور بھی نفس انسانی کی

اصلاح کا ایک موثر طریقہ ہے جو ہم کو بڑی حد تک گمراہی اور ضلالت سے بچاتا ہے اور

اسماں ربیع کے عیوض اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کا متمنی بناتا ہے۔



